© rasailojaraid.com

حجازِ مقدس میں قمری تاریخ کا نظام

مولانا محمد منظور نعمانی

"برہان" کے جنوری کے شمارہ میں جناب حاجی احسان الحق صاحب بجنوری (سابق لکچرر طبعیات مسلم یونیورسٹی علی گڈھ) کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس کا عنوان ہے،

"کیا حجاز میں رویتِ ہلال کا اہتمام ہوتا ہے"

اس مضمون میں ناچیز راقم سطور کے بارہ میں لکھا گیا ہے کہ "میں نے کبھی صاحب مضمون کو بتلایا کہ حجاز پاک میں

"تین مہینوں کا چاند یعنی رمضان شریف، عید الفطر اور ذی الحجہ کا دیکھا جاتا ہے۔ اور باقی نو مہینوں کی یکم بذریعہ جنتری طے ہوتی ہے۔"

برہان بابت جنوری ۱۹۷۱ء صفحہ ۳۰

مجھے برہان کے ناظرین کرام سے صرف یہ عرض کرنا ہے کہ صاحب مضمون نے یہ جو بات میری طرف منسوب کر کے لکھا ہے، صحیح نہیں ہے، بلکہ میرے نزدیک تو یہ نہایت مہمل اور ناقابل فہم بات ہے کہ سال کے بارہ مہینوں میں سے ۹ مہینوں کی یکم تو جنتری سے طے ہو.... اور تین مہینوں کی یکم کا تعین چاند دیکھ کر کیا جائے۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ چونکہ سعودی حکومت اور پوری سعودی مملکت کا سارا نظام اور کاروبار عربی مہینوں اور قمری تاریخوں کے حساب سے چلتا ہے یعنی عدالتوں، سرکاری دفتروں، تعلیم گاہوں حتیٰ کہ پوسٹ آفس وغیرہ میں بھی قمری مہینوں کی تاریخیں چلتی ہیں اس لئے ہمیشہ نیا قمری سال شروع ہونے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے پہلے ہی اگلے سال کے پورے بارہ مہینوں کی تقویم (جنتری) سرکاری طور پر چھپ کر شائع ہو جاتی ہے۔ یہ بالکل اسی طرح کی جنتری ہوتی ہے جس طرح کہ ہمارے ہاں ہندوستان میں بھی بہت سی ایسی ڈائریاں اور جنتریاں شائع ہوتی ہیں جن میں قمری تاریخیں بھی دی جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ قمری مہینوں کی جو جنتری سال شروع ہونے سے پہلے ہی شائع ہوگی اس کے بارہ میں چاند دیکھ کر تاریخ مقرر کرنے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوسکتا۔ پھر اس کی تاریخیں رؤیت ہلال کے حساب سے کسی مہینہ میں مطابق ہو جاتی ہیں اور کسی مہینہ میں کچھ فرق و اختلاف بھی ہو جاتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح کہ ہمارے ہاں کی جنتریوں اور کلنڈروں کی قمری تاریخوں میں ہوتا ہے —— حجاز پاک میں اس تقویمی تاریخ کو "میقاتی" کہتے ہیں —— وہاں اسکی خاص اہمیت یہی ہے کہ حکومت اور بازاروں کا سارا کاروبار اسی کے مطابق چلتا ہے لیکن عبادات صوم رمضان، تراویح، اعتکاف، عید الفطر، اور حج و قربانی وغیرہ کے دنوں کا تعین اس جنتری سے نہیں کیا جاتا بلکہ شرعی قاعدہ کے مطابق رؤیت ہلال کے ثبوت پر کیا جاتا ہے — اور اس وجہ سے بسا اوقات یہ تاریخیں جنتری والی میقاتی تاریخوں سے مختلف بھی ہو جاتی ہیں —— اور خود دیکھا ہے کہ بہت سے بے چارے ناواقف حاجی تاریخوں کے اس اختلاف کی وجہ سے طرح طرح کی چہ میگوئیاں اور عجیب و غریب قسم کے تبصرے کرتے ہیں۔

صاحب مضمون جناب حاجی احسان الحق صاحب سے میں نے یہی بات اسی تفصیل سے کہی تھی اور اس لئے کہی تھی کہ مجھے ان کی باتوں سے محسوس ہوا تھا کہ وہ اس بات سے واقف نہیں ہیں۔ اور اس ناواقفیت کی وجہ سے بہت سی غلط فہمیوں اور بے اصل بدگمانیوں میں مبتلا ہیں —— چنانچہ جب میں نے انہیں یہ بات بتائی اور یہ بھی بتایا کہ حجاز مقدس کی وہ سرکاری جنتری میرے پاس بھی ہر سال آتی ہے۔ تو انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ ایک پرانی جنتری دیکھنے کے لئے میں ان کو بھی بھیج دوں۔ چنانچہ میں نے ۱۳۸۰ھ کی جنتری ان کو بھیج دی جس کا انھوں نے اپنے اس مضمون میں ذکر بھی فرمایا ہے۔

میں نے انہیں یہ بھی بتلایا تھا کہ رویت ہلال کے ثبوت کا فیصلہ شہادت وغیرہ کی بنیاد پر سعودی حکومت نہیں کرتی بلکہ وہاں کے مفتی اعظم کرتے ہیں، حکومت اس کا اعلان کرتی ہے اور اس پر عمل کرتی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور مفتی صاحب کو ہم لوگ ذاتی طور پر بھی جانتے ہیں وہ بہت بڑے عالم ہیں۔ ان کے بارے میں یہ شبہ بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ رویت ہلال کے فیصلے میں جس پر رمضان کے روزوں اور حج جیسے اہم ارکان دوافض کا دارومدار ہے۔ کسی سہل انگاری اور بے احتیاطی سے کام لیں گے۔

لیکن ان بزرگوار نے میری اس سادی گفتگو کا مطلب یہ سمجھا اور یہ یاد رکھا کہ حجاز میں "تین مہینوں کا چاند دیکھا جاتا ہے اور باقی ۹ مہینوں کی یکم بذریعہ جنتری طے ہوتی ہے۔ (لاحول ولاقوۃ الا باللہ)

صاحب مضمون نے اسی سلسلہ میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے۔ کہ

"میں مولانا علی میاں ندوی کا مشکور ہوں کہ انھوں نے اس معاملہ کو میرے (اکتوبر ۶۸ء میں) لکھنے پر مکہ مکرمہ میں چھیڑا۔"

برہان بابت جنوری ۷۱ء صفحہ ۲۳

اکتوبر ۶۸ء میں رابطۂ عالم اسلامی (مکہ مکرمہ) کے اجلاس میں مولانا علی میاں اور ناچیز راقم سطور دونوں ساتھ ہی گئے تھے اور ساتھ ہی رہے تھے، میرے علم میں یہ بات بالکل نہیں کہ مولانا نے اس معاملہ کو وہاں چھیڑا ہو اور میں اس کو مستبعد بھی سمجھتا تھا کیوں کہ میری طرح ... مولانا موصوف کو بھی یہ بات معلوم ہے کہ وہاں رویت ہلال کے ثبوت کا فیصلہ مفتی اکبر کی طرف سے ہوتا ہے اور شرعی قاعدہ کے مطابق ہوتا ہے تو اس میں کسی گفتگو کی کیا گنجائش ہے۔ اس لئے "برہان" میں یہ پڑھ کر مجھے تعجب ہوا۔ پھر بھی میں نے ضروری سمجھا کہ مولانا علی میاں سے دریافت کروں۔ وہ ان دنوں لکھنؤ سے باہر تھے۔ کل ہی (۲۰ رمارچ ۷۱ء) وہ آئے تو میں نے ان سے "برہان" کے اس مضمون کا ذکر کیا اور دریافت کیا، تو انہیں سخت حیرت ہوئی کہ ان کے متعلق یہ بات کیسے لکھ دی گئی۔ اور انھوں نے بتایا کہ میں نے کبھی اس معاملہ میں وہاں کسی سے کوئی بات نہیں کی۔ اللہ ہی کو علم ہے کہ صاحب مضمون نے کس غلط فہمی یا کس غلط اطلاع کی بنا پر مولانا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بارے میں یہ لکھ دیا۔

اس مضمون کا ایک اور عجوبہ بھی قابل ذکر ہے۔ ذی الحجہ ۹۸ھ کا ذکر کرتے ہوئے صاحب مضمون نے لکھا ہے۔ کہ "اتوار کی پہلی ہوئی اور حج پیر کو ہوا!"

پھر اس پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھا ہے۔

"لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ یکم شوال ۹۸ھ منگل کی بذریعہ رویت ہوئی۔ اور یکم ذی الحجہ اتوار کی بذریعہ رویت ہوئی، اس درمیان میں دو چاند ہوئے ایک تیس ۳۰ کا اور دوسرا انتیس ۲۹ کا۔۔ یہ اس حدیث کے خلاف ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ مہینہ ۲۹ کا یا ۳۰ کا ہوتا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ شہادتیں ہوتی بھی ہیں تو اعتبار کے لائق نہیں ہوتیں۔" صہ ۳۴

سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی مہمل بات کی کیا توجیہ کی جائے۔ اگر کسی نے ان سے تفریحاً و مزاحاً یا کسی غلط فہمی کی بنا پر یہ بات بیان کی تھی تو انہیں سوچنا چاہئے تھا کہ حجاز کے مفتیٔ اعظم اور دوسرے ذمہ دار آخر ناواقف تو نہیں ہو سکتے کہ انہیں یہ بھی معلوم نہ ہو کہ قمری مہینہ کبھی ۳۱ کا نہیں ہو سکتا اور مہینے کے ۳۰ دن پورے ہو جانے پر چاند نہ دکھائی دینے کی صورت میں بھی اگلے نئے مہینہ کی پہلی تاریخ ہو جاتی ہے۔۔ لیکن انھوں نے اتنا سوچنے کی بھی ضرورت نہ سمجھی اور اس کو قبول فرما کر اس پر یہ تبصرہ فرما دیا، حالانکہ وہ آسانی سے تحقیق فرما سکتے تھے کہ ذی الحجہ ۹۸ھ کی پہلی تاریخ کس دن ہوئی تھی اور حج کس دن ہوا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ ۹۸ھ میں حجاز مقدس میں یکم ذی الحجہ اتوار کی نہیں بلکہ سنیچر کی ہوئی تھی اور حج یعنی وقوف عرفہ پیر کو نہیں بلکہ اتوار کو ہوا تھا اور شوال اور ذی قعدہ دونوں مہینے تیس ۳۰ تیس ۳۰ دن کے ہوئے تھے۔ حیرت ہے کہ صاحب مضمون اپنی اس ذہنی کیفیت کے باوجود اس طرح کے مضامین لکھنے کا اپنے کو کیوں مکلف سمجھتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس خامہ فرسائی سے اس عاجز کا مقصد صرف اتنا ہی تھا کہ "برہان" میں شائع شدہ مضمون میں جو غلط بات میری طرف سے منسوب کر کے لکھ دی گئی تھی اس کی تصحیح ہو جائے اور ساتھ ہی ناظرین کو معلوم ہو جائے کہ صاحب مضمون کا حال اور اندازِ فکر کیا ہے۔ اور پھر ان کے اس طرح کے مضامین لوگوں کے لئے ذہنی خلجان کا باعث نہ بنیں۔

آخر میں مناسب سمجھتا ہوں کہ حجاز مقدس میں رؤیت ہلال کے ثبوت اور اس سلسلہ میں وہاں کے ذمہ داروں کے طریق کار کے بارہ میں کچھ لکھ کے اس کو ختم کر دوں۔ عوام ہی نہیں بلکہ بہت سے خواص اور اہل علم کو بھی دیکھا ہے کہ وہاں کا طریق عمل اور ان حضرات کا ....

فقہی مسلک نہ معلوم ہونے کی وجہ سے طرح طرح کے خلجانات اس سلسلہ میں پیدا ہوتے ہیں۔ سب سے پہلی اور قابل ذکر اور قابل لحاظ بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ علماء نجد جو سعودی حکومت میں امور مذہبی کے عموماً ذمہ دار ہیں اور ذمہ دارانہ مناصب پر ہیں وہ حنبلی المذہب ہیں اور متاخرین میں خاص طور سے قاضی شوکانی کی تحقیقات پر ان کا اعتماد ہے اور جس طرح حنفیہ کا اصل مشہور مذہب (جو فقہ حنفی کی تقریباً سب ہی کتابوں میں لکھا ہے) یہ ہے کہ رویت ہلال میں اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں" (اور اس بناء پر دنیا کے کسی حصہ میں بھی رویت ثابت ہو جائے تو معلوم ہو جانے پر ساری دنیا میں اس کے مطابق عمل ہوگا اور ہر جگہ رویت تسلیم کر لی جائے گی)، یہی مذہب ان حنابلہ کا بھی ہے۔ (قاضی شوکانی نے نیل الاوطار میں اسی کو ترجیح دی ہے)

دوسری قابل ذکر اور قابل لحاظ بات یہ ہے کہ خاص شرائط کے ساتھ ٹیلی فون وغیرہ کی خبر ان کے نزدیک رویت ہلال کے سلسلہ میں معتبر ہے، اس لئے اگر ان کو مثلاً مصر سے یا مراکش یا کسی دوسرے مغربی ملک سے ٹیلی فون وغیرہ کے ذریعہ معلوم ہو جائے کہ وہاں رؤیت ہو گئی تو وہ رؤیت ان کے حنفی مسلک پر ان کے نزدیک اپنے ہاں کے لئے بھی بلکہ ساری دنیا کے لئے قابل تسلیم اور واجب العمل ہو گی،

تیسری اور آخری قابل ذکر بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ خود مملکت سعودیہ کے مشرقی علاقہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(مثلاً ظہران، دمام، الخبر) اور مغربی علاقہ (مثلاً تبوک) کے مابین اتنا فاصلہ ہے کہ اس کا پورا امکان ہے کہ مغربی علاقہ میں رویت ہوجائے اور مشرقی علاقہ میں بلکہ ریاض اور مکہ مکرمہ میں بھی نہ ہو۔ اور مملکت کے ہر چھوٹے بڑے شہر اور قصبہ میں بھی حکومت کی طرف سے قاضی مقرر ہیں جو علماء ہیں اور حکومت کا یہ پورا شعبہ مفتی اکبر کے ماتحت ہے۔ اب فرض کیجئے کہ مملکت کے آخری مغربی علاقہ میں مثلاً تبوک میں کسی نے چاند دیکھا، اس نے وہاں کے قاضی کے سامنے شہادت دی، قاضی اسی وقت مفتیٔ اکبر کو (جن کا مستقر دارالسلطنت ریاض ہے) ٹیلی فون سے اس کی اطلاع دیں گے، اس مقصد کے لئے حکومت کی جانب سے یہ انتظام ہے کہ ٹیلی فون کا رابطہ فوراً قائم ہوجائے۔ مفتی اکبر تبوک کے قاضی کی اس باضابطہ اطلاع کی بنا پر رؤیت ہلال کے ثبوت کا حکم دیں گے اور حکومت کو اس سے مطلع کردیں گے۔ حکومت اسی وقت ریڈیو وغیرہ سے اس کا باقاعدہ اعلان کردے گی۔

یہ ہے وہاں کا نظام اور طریق عمل، اور اس کی وجہ سے قدرتی طور پر ایسا ہوتا ہے کہ حجاز مقدس میں رمضان یا عید ہندوستان و پاکستان سے اکثر ایک دن اور کبھی کبھی دو دن پہلے ہوجاتی ہے۔

امید ہے کہ اس تفصیل کے معلوم ہوجانے کے بعد اس سلسلہ کے بہت سے خلجانات دور ہوجائیں گے۔

محمد منظور نعمانی

۱۲ر مارچ ۱۹۶۱ء

© rasailojaraid.com